OPEN ACCESS: http://theislamicculture.com

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
الثقافة الإسلامية
SZIC
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

مسلم ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت اور طبقہ اشرافیہ (حکمرانوں) کا رویہ

General Conformation of the media and the attitude of elite (rulers) in Muslim states

Dr. Muhammad Riaz
Assistant Professor, Islamic Studies,
University of Baltistan Skardu, Baltistan Pakistan
E-mail: muhammad.riaz@uobs.edu.pk

ABSTRACT:
In Muslim states, the general form of the media seems to be more restrictive than independent. Our claim is noteworthy because in these states sometimes publishing material against the will of the elite becomes an unforgivable crime. Nevertheless, Nevertheless, it should be born in mind that the general form of media in Muslim states, like other states, is based on modernity and Muslims also make full use of these resources. Therefore, the elites of the Muslim states also formulate their strategies in the light of circumstances and events and later in the context of those strategies, the media undergoes a phase of freedom or restriction. Most of the media officials have to endure the hardships of imprisonment in order to sustain the affairs of the government and to avoid the wrath of the public opinion. Sometimes media outlets face severe restrictions. Such operations in other Muslim countries, including Pakistan, are recent phenomena. At the time of compiling this article, there are complaints from some media outlets within Pakistan itself that they are not being allowed to express their views freely. In a situation where the freedom of the media has become more of a necessity than a choice, it is discouraging for the elites to shy away from reforms and selflessness. Although this

article highlights the general character of the media, it also points out the attitude of the elite in a sub-aspect.
Keywords: Muslim, state, media, general body, elite, attitude

مسلمان ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت آزاد سے زیادہ محدودیت کے خول میں بند نظر آتی ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ اس لئے لائقِ توجہ ہے کہ اِن ریاستوں میں بعض اوقات طبقہ اشرافیہ کی مرضی کے خلاف مواد کی اشاعت ناقابلِ سزا جرم بن جاتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دیگر ریاستوں کے موافق مسلم ریاستوں میں بھی ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت جدیدیت پر مبنی ہے اور مسلمان بھی انہی ذرائع سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلم ریاستوں کے طبقہ اشرافیہ بھی حالات وواقعات کے ضمن میں اپنی حکمت عملیوں کو ترتیب دیتے ہیں اور بعدازاں اُن حکمت عملیوں کے تناظر میں ذرائع ابلاغ کو آزادی یا پابندی کے مرحلے سے گزارتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ حکومتی معاملات کو دوام لینے اور عوامی رائے عامہ کے غیض وغضب سے بچنے کے لئے اکثر وبیشتر ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ بعض اوقات میڈیائی اداروں کو شدید قسم کی پابندی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان سمیت دیگر مسلمان ممالک میں اِس قسم کی عملیات ماضی قریب اور حال کی مشاہدات ہیں۔ جس وقت یہ مقالہ ترتیب پارہا ہے خود پاکستان کے اندر بعض میڈیائی اداروں کو شکایات ہیں کہ اُنہیں آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کرنے دیا جارہا۔ حکومتی مشنری اُن امور کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی جن میں طنزیہ لہجہ اپنایا گیا ہو۔ ایسی صورت حال میں جب ذرائع ابلاغ کی آزادی تقاضہ وقت سے زیادہ ضرورتِ زندگی کا روپ دھار چکی ہو وہاں طبقہ اشرافیہ کی خود پسندی اور اصلاحِ عمل سے کترانے کی روش حوصلہ افزاء طرزِ عمل نہیں ہے۔ یہ مقالہ اگرچہ ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت کو نمایاں کرتا ہے تاہم ضمنی پہلو سے طبقہ اشرافیہ کی روش کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔

مفروضہ:

۱۔ مسلم ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت تقلیدی عمل اور حکمرانوں کی قصیدہ خوانی سے مزین ہے۔

۲۔ دُنیا کی ایک بڑی آبادی میں شمار ہونے کے باوجود مسلم ذرائع ابلاغ کی جداگانہ شناخت اب تک منصہ شہود میں نہ آسکی۔

۳۔ مسلم ریاستوں میں ذرائع ابلاغ عمومی طور پر پابندیوں اور قدغنوں میں محصور ہیں۔

۴۔ حکمرانوں کی ذہنی استبداد کی وجہ سے مسلم ذرائع ابلاغ کا مسابقتی عمل کمزور ہو چکا ہے۔

طریقۂ تحقیق:

یہ مقالہ سوالنامہ اور سروے سے ہٹ کر صرف تجزیاتی بنیادوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔ محدود وسائل کی موجودگی میں تحقیق کے تمام لوازمات کو پیشِ نگاہ رکھنا ممکن نہ تھا کہ مقالہ نگار مسلم ریاستوں کے ذرائع ابلاغ کا قریب سے مشاہدہ کرتے۔ دستیاب ذرائع (اخبار، ویب سائٹس اور سماجی میڈیا فورمز) کے توسط سے کوشش کی گئی ہے کہ زیرِ بحث عنوان کو تجزیاتی طریقہ تحقیق سے مکمل کیا جائے، لہٰذا مقالہ ہٰذا کو اختتام تک لے جانے کے لئے تجزیاتی طریقہ تحقیق سے مدد لی گئی ہے۔

مقدمہ:

مسلمان ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کی عمومی ہیئت اور طریقہ کار وضع کرنے کا عمل مسلم طبقہ اشرافیہ (حکمران) کے رویہ پر منحصر ہے، اس لئے کہ یہ طبقہ انتظامی، سیاسی، معاشی وسیاسی اور دیگر معاملات میں مقتدرانہ حق رکھتا ہے اور یقینی حق کی موجودگی میں اِس طبقہ کے بعض فیصلے ذرائع ابلاغ کے لئے حوصلہ مندانہ ہوتے ہیں اور بعض سخت قسم کے فیصلے مشکلات کا سبب بن سکتے ہیں۔ مشاہدے کی بات ہے کہ معاشرے میں جاری حکمران طبقہ کا جابرانہ طرزِ عمل کبھی بھی ذرائع ابلاغ کے حق میں نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران طبقہ کے اس طرزِ عمل سے نہ تو ذرائع ابلاغ کی ذمہ دارانہ روش سامنے آسکی اور نہ ہی اغیار کے ذرائع ابلاغ سے مسابقت کی قوت پیدا ہو سکی۔ مسلسل جکڑبندیوں اور پابندیوں کے نتیجے میں آج تک مسلمان ذرائع ابلاغ کی طرف سے جداگانہ روش کا منصہ شہود میں نہ آنا بذاتِ خود سوالیہ نشان ہے۔ وہی تقلیدی عمل اور حکمرانوں کی قصیدہ خوانی موجودہ مسلم ذرائع ابلاغ کی سب سے نمایاں روش ہے۔ عام طور پر حکمران طبقہ اُن ابلاغی گوشوں کو نظر انداز کر دیتا ہے جو فی نفسہ ان کی حکومت کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کرتے۔ جیسے معلوماتی خبریں، حالات حاضرہ اور سیاسی نشیب و فراز سے متعلق گفتگو و شنید، تفریحی پروگرام، تعلیمی خبریں، صحت سے متعلق معلومات وغیرہ۔ کیونکہ ان سماجی معاملات کی تشہیر سے طبقہ اشرافیہ کو براہِ راست خطرہ نہیں ہوتا۔ معلومات، تعلیم اور صحت سے متعلق خبروں کی تشہیر ذرائع ابلاغ کی بہترین ذمہ داری اور لائق تحسین روش ہوتی ہے۔ مجموعاً ان گوشہ جات کی تشہیر سے مسلمان ریاستوں میں شعوری کیفیت بتدریج بڑھ جاتی ہے جبکہ جہل اور ہٹ دھرمی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ عمل جو معلومات، تعلیم اور صحت جیسے سماجی شعبہ جات کی تشہیر کے لئے انجام دیا جاتا ہے، بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلم حکمرانوں کے لئے خطرہ نہیں بنتا اس لئے وہ ان کی تشہیر پر مخالفت کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ البتہ بعض ایسے سماجی معاملات ہیں جن کی تشہیر سے مسلمان حکمرانوں کو خاصی پریشانی ہوتی ہے، خاص طور پر سیاسی معاملات میں ذرائع ابلاغ کی مداخلت اور بار بار کی تشہیر و ترویج حکمرانوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ صرف اسی شعبے کے تناظر میں وہ ذرائع ابلاغ کو کلی طور پر آزاد رہنے نہیں دیتے بلکہ جزوی آزادی دینے کے قائل ہوتے ہیں۔ حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ مسلم حکمران طبقہ ذرائع

ابلاغ کے اس کردار پر بالکل بھی معترض نہیں ہوتا جس میں تفریحی اور موسیقی کے پروگرام دیکھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے اُن کے فرضِ منصبی میں شامل ہے کہ وہ اپنی رعایا کی اخلاقیات پر بھی نظر رکھے اور ذرائع ابلاغ کو مخرب الاخلاق پروگراموں اور خبری مواد سے روکے۔ صرف تنقیدی پہلو پر مبنی پروگرامز اور نشریات پر کڑی نگاہ رکھنا قدغن اور پابندیوں کی ایک صورت ہو سکتی ہے، جس کو متمدن دُنیا میں احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

تفصیلی متن:

مشاہدہ کی بات ہے کہ مغرب کی طرح مسلم دنیا میں بھی ذرائع ابلاغ اور ان پر نشر ہونے والے پروگرام، ڈراموں، فلموں اور موسیقی کی وجہ سے رومانیت پروان چڑھی ہے۔ لوگ موسیقی کو پسند کرتے ہیں نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ فلمی گانوں کی مقبولیت کی وجہ سے ہماری معاشرت میں رومان اور عامیانہ جذباتیت کا عنصر مستحکم ہوا ہے۔[1] طبقہ اشرافیہ کی جانب سے نہ صرف اس طرح کے کسی بھی پروگرام کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی ہے بلکہ ذرائع ابلاغ کو شہ دی جاتی ہے کہ وہ ملی نغموں اور تفریح کے نام پر موسیقی کی بھرپور تشہیر کرے۔ اس ایک پہلو کے سواء دیگر معاملات میں مسلم حکمرانوں کا رویہ خاصا جارحانہ اور باقی دنیا سے الگ انداز کا ہوتا ہے۔ وہ ذرائع ابلاغ کو صرف اُسی صورت میں برداشت کرلیتے ہیں جب ذرائع ابلاغ ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ بصورت دیگر وہ ذرائع ابلاغ کو سخت پابندی میں رکھنے کے حق میں ہوتے ہیں۔ معروف مسلم اتحاد کے داعی سید جمال الدین افغانی کو مصر میں اسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس وقت کی حکومت نے انہیں نہ صرف مصر سے جلاوطن کر دیا بلکہ اُن کی طرف سے جاری کردہ تین اخبارات مصر، محروسہ اور مراہ الشرق پر پابندی عائد کر دی۔[2] تجزیاتی نگاہ سے اگر ہم دیکھیں تو مسلم ریاستوں میں میڈیائی صنعت کو تین بڑے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے:

اول: مالیاتی دباؤ

دوم: قانونی دباؤ

سوم: جسمانی دباؤ[3]

دراصل مسلم حکمرانوں اور ذرائع ابلاغ میں باہمی افہام و تفہیم کی کیفیت ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ حکمران طبقہ ذرائع ابلاغ کو خود کے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے جبکہ ذرائع ابلاغ کے نمائندے اپنی ذمہ داری اور آزادی کو ہر حال میں ثابت کرکے طنز و تنقید اور حکومتی اصلاح کے دعویدار ہوتے ہیں اور نتیجتاً دونوں فریقین ایک دوسرے کو نہ سمجھنے جیسے حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ لامحالہ اس خلیج کا سب سے بڑا نقصان ایک اسلامی ریاست کو پہنچتا ہے۔ حکمران طبقہ احساسِ برتری کے زعم میں ہر شے کو خود کی جاگیر سمجھتا ہے جبکہ

ذرائع ابلاغ آزادی کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر اِسے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک سیر اور دوسرا سوا سیر کے مصداق دونوں کی مخاصمت میں جیت حکمرانوں کی ہوتی ہے اور ذرائع ابلاغ کو ہمیشہ کی طرح ایک مبہم اور غیر مقبول روش کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اس حقیقت کو لا دینیت (سیکولرزم) پر گہری نگاہ رکھنے والے طارق جان یوں عیاں کرتے ہیں:

"جب برسراقتدار لوگ یہ کہیں کہ ہمارے اُوپر تنقید مت کرو اور میڈیا کہے ہمیں حق ہے کہ ہم جو کہیں اور جیسے کریں، آپ ہمیں روک نہیں سکتے۔ یا یہ کہ میڈیا نے آزادی چھین کر لی ہے، تو پھر یہ بُعد المشرقین کا مسئلہ ہے جس پر پل نہیں بنایا جاسکتا۔"[4]

جس طرح حکمرانوں کی پابندیاں ذرائع ابلاغ کو مثبت روش ظاہر کرنے نہیں دیتیں اسی طرح خود ذرائع ابلاغ کی ضرورت سے زیادہ آزادی کی خواہش بھی اس رویئے کے اِظہار میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جیسا کہ عام رُجحان ہے کہ حکومتیں ذرائع ابلاغ کو پابندیوں سے مبرا رکھنا نہیں چاہتیں۔ جبکہ ذرائع ابلاغ اپنے رجحانات، وابستگیوں اور مصلحتوں کے شکار نظر آتے ہیں۔ معروف صحافتی معلم اور پنجاب یونیورسٹی شعبہ ابلاغیات کے سابق ڈائریکٹر احسن اختر ناز لکھتے ہیں:

"سب سے بڑھ کر آزادئ صحافت کا مسئلہ صحت مند اور ذمہ دار صحافت کی راہ میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ پاکستان میں حکومتیں اور آئین بدلتے رہے مگر یہ پابندیاں ہر دور میں موجود رہیں.... اگر دیانت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو خبروں کو ان کی اصلی حالت اور نوعیت کے مطابق شائع کرنا چاہیے لیکن عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے اپنے مقاصد اور مصلحتوں کے تحت خبروں کو اخبار کے صفحات پر ان کی اہمیت اور حیثیت کے مطابق جگہ نہیں دی جاتی۔"[5]

طبقہ اشرافیہ (حکومتی ذمہ داران) کی طرف سے عائدہ کردہ پابندیوں کے اثرات اور نتائج اپنی جگہ لیکن ذرائع ابلاغ کا دوُرخی عمل کہ ایک پہلو سے وہ سماج میں ناصحانہ ذمہ داری ادا کرنے کے دعویدار ہوتے ہیں اور دوسرے پہلو سے وہ مصلحتوں اور منفعتوں کو بھی پیشِ نگاہ رکھتے ہیں، ایسی صورت حال کو کسی بھی معاشرے کے لئے سودمند قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وہ معاشرے جہاں ذرائع ابلاغ کو حدود و قیود سے باہر کی آزادی دی گئی، وہاں افراتفری کا پیدا ہونا یقینی اَمر ہے اور نتیجتاً ایسے معاشرے انتشار اور باہمی چپقلش کے شکار ہوتے ہیں۔ بطور طالب علم ہم جس ریاست کی حدبندی کے قائل ہیں، وہ اسلامی قواعد و ضوابط اور اُصول کی پابندی ہوتی ہے۔ اُس ریاست کے ذرائع ابلاغ کے فرضِ منصبی میں شامل ہے کہ وہ اپنے حقوق کے مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست اور مسلمان معاشرہ کے حقوق کے بھی قائل ہوں۔ حسن ظن کے طور پر مسلم حکمرانوں کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ بعض دفعہ ریاستی معاملات کی درستگی اور ان کی بقاء کے لئے وہ ذرائع ابلاغ پر پابندی جیسے اقدامات کرتے ہوں۔ تاہم یہ مفروضہ ہی ہوسکتا ہے، زمینی حقائق اس کے

بالکل برعکس ہیں۔ لیکن ذرائع ابلاغ کے لئے ہم اگر حسن ظن بھی رکھیں تو ان کی ظاہری مصروفیات کے تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ابھی تک مثبت روش کو اپنانے کا فیصلہ نہیں کیا۔ وہ آزادی بھی چاہتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق قواعد وضوابط پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دو متضاد موقف کی موجودگی میں ابلاغی روش کا وہ اظہار نہ ہو سکا جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات اور اولین ریاست کے دستور میں فراہم کی گئی ہے۔[6]

اب تک کی بحث کے نتیجے میں بعض معروضات بیان ہوئے اور بیان کیا گیا کہ ذرائع ابلاغ اور طبقہ اشرافیہ میں ایک وسیع خلیج موجود ہے اور اُس کے خاتمے کے لئے باہمی افہام وتفہیم کی فضاء قائم کرنی ہوگی اور یہ اَمر اُس صورت میں ظاہر ہوگا جب طرفین ریاستی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ یہاں پر ہم موجودہ اسلامی دنیا کی سیاسی صورت حال پر ایک نظر کرتے ہیں اور بعد ازاں وہاں کی ابلاغی ہیئت پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ موجودہ اسلامی ریاستیں تین الگ الگ سیاسی نظام کے تحت اپنی شناخت رکھتی ہیں: جمہوری، بادشاہی اور آمریت، اول الذکر دونوں نظام کی مثالیں اس وقت عام مشاہدہ ہیں۔ جبکہ آخر الذکر نظام کا براہِ راست مشاہدہ ممکن نہ ہو، تاہم بالواسطہ اس کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جیسے مصر میں فوجی بغاوت کے نتیجے میں منتخب حکومت کی معزولی اور بعد ازاں آمریت کے لبادہ میں صدر کا انتخاب اس طرز حکمرانی کی جیتی جاگتی مثال ہے۔[7] جبکہ ماضی قریب میں آمریت کی مثالیں مسلم ریاستوں میں عام تھیں، عراق، مصر، لیبیا، انڈونیشیاء، پاکستان، سوڈان اور ترکی وغیرہ اس عمل سے گزر چکے ہیں۔ چار ریاستوں میں اسلامی جمہوریہ طرز کا نظام رائج ہے۔ پاکستان، ایران، افغانستان اور موریطانیہ جبکہ آٹھ ریاستوں میں بادشاہی نظام رائج ہے۔ سعودی عرب، بحرین، اُردن، کویت، عمان، قطر، متحدہ عرب امارات، یمن، دیگر تمام اسلامی ریاستیں جمہوریہ کہلاتی ہیں۔ اس وقت بظاہر آمریت کا ہیولا نہیں ہے لیکن بعض ریاستوں کے حکمران اپنے طرزِ عمل سے اس رویہ کے اظہار وقتاًفوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ جیسے شام کے صدر بشارالاسد کی مثال دی جاسکتی ہے۔

سب سے پہلے ہم بادشاہی نظام کی حامل ریاستوں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہاں ذرائع ابلاغ کس قدر آزاد ہیں، ان کی نوعیت کیا ہے اور جدید ابلاغی ماحول میں کس قدر اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ ان ریاستوں کے بارے میں عمومی تاثر یہ ہے کہ ان کے ہاں ذرائع ابلاغ ریاستی جبر وتسلط کے شکار ہیں۔ خاص طور پر حکومتی اُمور کی خامیوں کی نشاندہی اور سربراہانِ مملکت کو کسی بھی طور ہدفِ تنقید نہیں بنایا جاسکتا۔ اگرچہ اندورنی طور پر یہ ریاستیں کافی حد تک مستحکم ہیں تاہم انسانی حقوق اور اظہارِ رائے کی آزادی جیسے معاملات اکثر زیر بحث رہتے ہیں۔ ان ریاستوں میں وراثتی حکمرانی کا رواج عام ہے۔ سیاسی جماعتیں یا حزب اختلاف جیسا تصور ان ریاستوں میں مفقود ہے۔ لہٰذا یکجہتی نظامِ حکمرانی کی موجودگی میں نہ عوام اپنی رائے کا اظہار کرسکتے ہیں اور نہ ہی ذرائع ابلاغ اپنی ذمہ داری نبھاسکتے ہیں۔ بعض مغربی میڈیائی ادارے مدعی ہیں کہ خطہ عرب میں قائم بادشاہتیں اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے فرقہ وارانہ فسادات اور مسلکی اختلافات کو

نمایاں رکھتے ہیں۔ وہاں کے ذرائع ابلاغ میں فرقہ وارانہ دروس ایک عمومی رواج بن چکے ہیں۔ عرب حکمران اس سلسلے میں ٹیلی ویژن چینلز، مطبوعہ اخبارات اور سوشل میڈیا من جملہ فیس بک، یوٹیوب اور ٹویٹر سے کام لے رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل یہی ابلاغی ذرائع عرب بہار کے دوران نوجوانوں کو منظم و متحرک کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔ باہمی اختلاف وتضاد، ایک دوسرے کے علماء کو شیطان کہہ کر مخاطب کرنا، عام لوگوں کو اپنے مخالف مسلک کے لوگوں کو قتل کرنے پر اُکسانے جیسے اُمور عرب ذرائع ابلاغ کی جدید ترین روش ہے۔[8] متعلقہ مغربی ابلاغی اداروں کی رپورٹ اور تجزیہ کو بنیاد بنا کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عرب شاہی حکومتوں کے زیر اثر ذرائع ابلاغ نہ تو ملکی معاملات کی درستگی میں کوئی اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور نہ ہی معاشرتی بگاڑ کی طرف اِن کی کوئی توجہ ہے۔ البتہ ریاستی سربراہوں کی ایماء پر فرقہ وارانہ فسادات کرنے میں ذرائع ابلاغ کا کہیں نہ کہیں ہاتھ ضرور ہے۔

سعودی عرب میں شاہ عبد اللہ اور حکومتی اراکین کے خلاف کسی بھی فورم میں گفتگو کرنا اور حکومتی اُمور پر تنقید کرنا قطعاً روا نہیں ہے۔ عرب انقلابات کے دوران ایک موہوم سی کوشش سعودی عرب میں بھی ہوئی تھی تاہم ریاستی جبر و تشدد کے ذریعے یہ کوشش دبا دی گئی۔ احتجاجی تحریکوں کو کوریج دینے والے میڈیائی ادارے نہ صرف حکومت کے زیرِ اعتاب رہے بلکہ انفرادی طور پر بھی متعدد شخصیات کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔[9]

کویت کے آئین کے مطابق ملک کے امیر کی توہین ایک جرم ہے۔ اُسی آئین کے تناظر میں امیر کی توہین اور تبدیلی حکومت کے مطالبہ کرنے والے افراد حکومتی عتاب میں رہتے ہیں۔ بعض صحافیوں کو گیارہ برس کی سزا اس لئے سنائی گئی کہ اُنہوں نے ملک کے امیر کی توہین کے علاوہ ہمسایہ ملکوں سعودی عرب اور بحرین کے بادشاہوں پر تنقید کی تھی۔[10]

بحرین کی تمام ابلاغی جہتوں پر حکومتی ذمہ داروں کا سخت کنٹرول ہے۔ ریاستی اُمور کے کرتا دھرتا وقتاً فوقتاً غیر ملکی اور سماجی ذرائع ابلاغ کی ویب سائٹس تک رسائی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ خاص طور پر انقلابی ذہن رکھنے والی تنظیموں کے میڈیائی ادارے اور ویب سائٹس متعلقہ اہلکاروں کی زد میں ہوتی ہیں۔[11] ۲۰۱۱ء کے دوران ایک اہم مقامی اخبار کی اشاعت کو اس لئے معطل کیا گیا کہ وہ عرب بہار کے مظاہرین کی خبریں نشر کرتا تھا۔[12] عرب ریاستوں کی میڈیا پالیسیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صحافیوں کی عالمی تنظیم کمیٹی برائے تحفظ صحافی (CJP) نے اپنے سخت تحفظات کا اظہار کیا اور مشرقِ وسطیٰ کو میڈیا کے ذمہ داروں کے لئے مقتل گاہ قرار دیا۔ متعلقہ تنظیم کی طرف سے جاری کردہ دستاویز کے مطابق سال ۲۰۱۳ء کے دوران مجموعی طور پر میڈیا سے وابستہ ستر کارکنان کو موت کی نیند سلایا گیا۔ علاوہ ازیں صحافیوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ملک شام رہا جہاں تیس کے قریب صحافی اپنے فرضِ منصبی کے بھینٹ چڑھ گئے۔[13] علاوہ ازیں شام میں ہی وزارتِ ٹیکنالوجی سخت قوانین کے تحت متعلقہ میڈیائی اداروں کی نگرانی کرتی ہے۔ انٹرنیٹ اور دیگر

ابلاغی ذرائع مذکورہ وزارت کی اجازت کے بغیر آزادانہ رپورٹنگ نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ سال ۲۰۱۱ء اور سال ۲۰۱۲ء کے دوران قریب چودہ ہزار انٹرنیٹ استعمال کرنے والے افراد کو گرفتار کیا گیا۔[14]

عرب ریاستوں کی طرح دیگر اسلامی جمہوریتیں بھی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھتیں۔ اکثر ممالک میں ابلاغی ادارے حکمران طبقہ کے زیر قبضہ ہوتے ہیں۔ لیبیا، سعودی عرب اور کویت کے بعد خطے کا وہ تیسرا ملک ہے جہاں اظہارِ رائے پر شدید قدغن عائد ہیں اور حکومتی پالیسیوں سے اختلاف کا حق نہیں ہے۔[15] اگرچہ معمر قذافی کا انتقال ۲۰۱۱ء میں ہوا اور اُن کے دور میں ذرائع ابلاغ کو معقول آزادی نہیں تھی۔ اُن کے قتل کے بعد بھی ملکی ذرائع ابلاغ کو وہ آزادی نہیں ملی جس کا تقاضا ایک اسلامی ریاست کے قانون میں کیا گیا ہے۔

ترکی جدید اسلامی ریاست کی شکل میں ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ معیشت اور دفاعی نقطہ نظر سے ترکی کا موازنہ دیگر کئی ممالک سے کیا جاسکتا ہے۔ آزاد خیالی اور قدامت پرستی دونوں طرح کے رجحانات ترک معاشرے کی عام روایت ہے۔ خود حکمران جماعت پر بھی قدامت پرستی کے الزامات اس وجہ سے لگ رہے ہیں کہ وہ پھر ترکی کو ایک اسلامی ریاست پر تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ جس طرح دیگر اسلامی مملکتیں ذرائع ابلاغ پر پابندی کے حوالے سے زیر بحث ہوتی ہیں اسی طرح وقتاً فوقتاً ترکی بھی زد میں آتا ہے۔ موجودہ صدر طیب اُردگان جب وزیر اعظم تھے تو اُنہوں نے ایک خاتون صحافی کو بے شرم کہا اور صحافی برادری میں اُن کے اِس اقدام کو سخت ناپسند کیا گیا اور سخت تنقید کی گئی۔ جبکہ ان کی وزارت عظمیٰ کے دوران دنیا کے کسی بھی اور ملک سے زیادہ صحافی حضرات پس دیوار زنداں ڈالے گئے۔[16] اُردگان کے دورِ حکومت میں ترکی آزاد صحافت کے لئے ایک مشکل جگہ بن گیا تھا۔ معروف برطانوی جریدہ ہفت روزہ دی اکنامسٹ نے بھی اپنی ایک رپورٹ جو ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی تھی، اس جانب اشارہ کیا تھا کہ ترکی میں ذرائع ابلاغ کے نمائندے ایسی کوئی بھی بات لکھنے سے اجتناب کرتے ہیں جس میں صدر (اُس وقت کے وزیر اعظم) طیب اُردگان پر نقد و جرح ہو۔ اُن کی حکومت نے ملک کے سب سے بڑے میڈیا گروپ کے خلاف اُس وقت کارروائی کا آغاز کیا جب متعلقہ میڈیا ادارے نے حکمراں جماعت کی بدعنوانی کے خلاف خبریں شائع کیں۔[17]

مصر میں بھی ذرائع ابلاغ کو سخت پابندی کا سامنا ہے۔ اخوانُ المسلمین کے حامی سمجھے جانے والے تمام ابلاغی ادارے بند کئے جاچکے ہیں۔ موجودہ مصری حکومت کی پالیسی میں نمایاں طور پر دو پہلو اہم ہیں: اول یہ کہ میڈیائی ادارے اور شخصیات اُن کی حمایت کریں۔ دوم یہ کہ میڈیا اُن کے مخالف کے طور پر سامنے آئے۔ ظاہر ہے کہ مخالف میڈیا کی شناخت کے بعد اُس کے خلاف کارروائی آسان اَمر بن جاتا ہے۔ سال ۲۰۱۳ء کے دوران عدالتی ایماء پر اخوان المسلمین سے تعلق رکھنے والے ایک ٹیلی ویژن چینل اور چار دیگر

چینلوں کو بند کر دیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ مذکورہ چینلز حکومتی پالیسوں پر تنقید کرتے ہیں اور کارِ سرکار میں مداخلت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ (18)

سعودی عرب سمیت دیگر بادشاہتوں میں اگرچہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے خلاف کچھ کہنا یا لکھنا ممنوع ہے تاہم حیرت انگیز طور پر دیگر اُمور جیسے تفریحی پروگرام کی تشہیر، ہالی ووڈ فلموں کی رونمائی اور موسیقی کے پروگرام پر کوئی قدغن نہیں۔ ڈھیر ساری اصلاحی کمیٹیوں کی تشکیل اور اُن کمیٹیوں کی سخت نگرانی کے باوجود تجارتی مراکز میں فروخت ہونے والی اشیاء کے نام انگریزی زبان میں لکھے نظر آتے ہیں۔ جبکہ مقامی مصنوعات کی بجائے غیر ملکی مصنوعات کو ترجیح دینے کی روایت عام ہے۔ میڈیائی رپورٹس اور تجزیوں کے مطابق سعودی خواتین بناؤ سنگھار کی اشیاء میں غیر ملکی مصنوعات کو زیادہ پسند کرتی ہیں۔ لپ اسٹک، نیل پالش، نیل پالش زائل کرنے والا مادہ، آنکھوں کی کشش بڑھانے والی مسکارا، خضاب، خوشبو، مغربی نقش و نگار کے ملبوسات، میک اپ کے سامان کی خرید میں بھاری بھر اخراجات خرچ کرنا اس بات کی نشاندہی ہے کہ سخت پابندیوں کے باوجود مقامی طور پر غیر ملکی اشیاء کو ترجیح دینے کا چلن عام ہے۔ (19)

یہ صورت حال صرف عرب بادشاہتوں تک محدود نہیں بلکہ دیگر عرب ممالک میں بھی اس طرح کے مشاہدے عام ہیں۔ مصری دار الحکومت قاہرہ میں کئے گئے اخباری سروے اور تحقیقی رُجحان کی غرض سے انجام دی گئی کاوش کے مطابق مقامی خواتین جنسی فلموں کو پسند کرتی ہیں، سو میں سے پچھتر فیصد خواتین مخرب الاخلاق مناظر دیکھنے کی عادی ہو چکی ہیں، متعدد خواتین اُن فلموں کو پسند کرتی ہیں جو لڑائی اور تشدد سے بھرپور ہوں، جبکہ بعض خواتین کو جذباتی فلمیں دیکھنے کا شوق ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سروے میں کسی ایک عورت کی طرف سے معلوماتی فلموں اور حیرت انگیز پروگرام دیکھنے کا تذکرہ نہیں ہوا۔ (20)

عربی ذرائع ابلاغ میں ایک بڑی تبدیلی اخبارات کی اشاعت میں کمی اور مطالعاتی رُجحان میں حد درجہ سستی کی صورت میں نظر آئی۔ وہ تمام اخبارات جو لاکھوں کی تعداد میں کاپیوں کی فروخت میں سرفہرست تھے، اب وہ ہزاروں کی تعداد میں محدود ہو گئے ہیں۔ متعدد وجوہات کے علاوہ سب سے بڑی وجہ سماجی رابطہ آلات کا بے دریغ استعمال ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق سعودی عرب دُنیا میں وہ واحد ملک ہے جہاں پر سماجی رابطہ ویب سائٹ یوٹیوب کی ویڈیوز سب سے زیادہ بنتی ہیں اور نوجوان میں اس کا رجحان خدشہ کی حد تک بڑھ چکا ہے۔ علاوہ ازیں ٹویٹر، فیس بک اور انسٹا گرام کا استعمال بھی توقع سے زیادہ ہے۔ یعنی کہ خطہ عرب کہ جس میں ٹیکنالوجی کی ایجادات نہ ہونے کے برابر ہے وہاں ذرائع ابلاغ کے آلات کی طرف رغبت اور بعد ازاں بے دریغ استعمال اس بات کا غماز ہے کہ طبقہ اشرافیہ کی پوری توجہ ذرائع ابلاغ کے اُنہی شعبہ جات پر ہے جو تنقید و تنفید سے بھرپور ہوں۔ البتہ اُن شعبہ جات کو نظر انداز کیا جارہا ہے جن کی نشاندہی ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ ماہرینِ سماجیات و ابلاغیات مدعی ہیں کہ ترقی یافتہ عرب ممالک میں اخبارات و رسائل اور مطبوعہ

ابلاغیات کے بجائے متبادل ذرائع سے باخبر رہنے کی شرح بہت زیادہ ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب عرب ممالک میں اخبارات شائع کرنے اور مطالعہ کرنے کا رُجحان جلد ختم ہو جائے گا۔(21)

عرب ممالک میں ذرائع ابلاغ کی نوعیت جو کبھی مطبوعہ صحافت کی شکل میں اکثریتی صنف کے طور پر معروف تھی، اب جدید میڈیائی شکل اختیار کرنے کے پس پردہ عوامی رجحان میں میں تبدیلی ہے۔ سخت پابندیوں کے باوجود جدید ابلاغی اصناف کا ان معاشروں میں رواج پانا مستقبل قریب کے لئے ایک بہت بڑی انقلابی نوید ہے۔

اسلامی جمہوریہ سے معروف ریاستوں میں پاکستان اور ایران کا کردار عالمی نوعیت کا ہے۔ وقتاً فوقتاً دونوں ممالک نے متعدد مواقع پر فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ ایران میں اس وقت پچاس (۵۰) سے زائد ٹیلی ویژن چینلز کام کر رہے ہیں جو تمام کے تمام حکومتی انتظام میں چل رہے ہیں۔ انقلاب کے بعد ایرانی حکومت نے جس طرح دیگر شعبوں میں سخت پالیسی اپنائی ہے اسی طرح ذرائع ابلاغ کے حوالے سے بھی سخت موقف رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے ایران میں نجی ٹیلی ویژن چینلز مفقود ہیں۔ ہر چار سال بعد ہونے والے انتخابات کے دوران حکومت مخالف مہم چلانے اور اخبارات میں نقد و جرح کرنے پر متعدد صحافیوں کو سخت سزائیں سنائی گئیں جبکہ کئی ایک صحافیوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ صحافیوں کے لئے جدوجہد کرنے والی عالمی تنظیم رپورٹرز وِدآوٹ بارڈرز کے مطابق:

> ”ایران میڈیا کی آواز دبانے اور صحافت کی آزادی پر قدغنیں لگانے کے لئے ریاستی مشینری کا بے جا استعمال کر رہا ہے، ایران کی عدالتیں بھی منصفانہ فیصلوں کے بجائے ریاستی جبر کو تقویت دینے کا باعث ہیں۔ جیل میں قید صحافیوں کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے، انہیں حراست میں ادنیٰ درجے کے حقوق بھی حاصل نہیں ہیں۔“(22)

اگرچہ مذکورہ تنظیم کا یہ ذاتی نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ تاہم زمین حقائق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ایران میں ذرائع ابلاغ کی ڈوری طاقت ور حکمرانوں کے پاس ہے۔ حکومتی پالیسی کے خلاف کوئی بھی تنقیدی خبر نشر کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ جدید انقلابی معماروں اور حکومتی پالیسیوں سے وابستہ افراد کا ماننا ہے کہ میڈیائی اداروں پر پابندی ایران کے حق میں بہتر ہے۔ وہ مدعی ہیں کہ اگر ذرائع ابلاغ کو بے باک آزادی فراہم کی جائے تو پھر صورت حال وہی پیدا ہو گی جو انقلاب سے قبل تھی۔(23) ایرانی حکمران اپنی پالیسیوں میں خود مختار ہیں۔ آج کا ایران کم از کم اپنی خود مختار پالیسی بنانے میں آزاد تو ہے۔ وہ عالمی طاقتوں کے سامنے اپنی بات منوا سکتا ہے۔ جب ان کے خیال میں ذرائع ابلاغ کو ایک محدود آزادی ملنی چاہیے تو پھر ان کے نقطہ نظر سے شاید یہ درست فیصلہ ہو سکتا ہے تاہم ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد پر ظلم و تشدد جب تک کہ ان کی غداری ثابت نہ ہو، کسی بھی طرح سے روا نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریہ سے معروف ملک افغانستان میں ذرائع ابلاغ مسلسل ارتقاء کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ سلامتی کی بہتر صورت حال کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ کو آزادی ملی ہے اور گزشتہ تین دہائی کے دوران ذرائع ابلاغ کے مختلف اداروں مثلاً ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات میں مفادات رکھنے والے گروپوں کی تعداد بڑھی ہے۔ سال ۲۰۰۲ء میں ایک غیر سرکاری ریڈیو اسٹیشن ہوا کرتا تھا ستمبر ۲۰۱۰ء تک ۷۵ سے زائد ارضی ٹی وی اسٹیشن، ۱۷۵ ایف ایم ریڈیو اسٹیشن اور ۸ سو سے زائد اخبارات ورسائل کام کررہے تھے۔[24]

اس مختصر سی گفتگو کے تناظر میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اکثر مسلم ریاستوں میں ذرائع ابلاغ پابندی اور سخت جکڑیوں میں باندھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ بعض جمہوری ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کو بظاہر آزادی دی گئی ہے تاہم یہ آزادی بھی حدود وقیود کی محتاج ہے۔ انڈونیشاء، ملائیشیاء، سوڈان سمیت کئی مسلم ریاستیں ذرائع ابلاغ کو جزوی آزادی دینے کی دعویدار ہیں لیکن جب یہی ریاستیں شورش زدہ ہوتی ہیں یا ہنگامی حالات کا سامنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے ذرائع ابلاغ پر پابندی کو اس مسئلے کا حل سمجھتی ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سخت جکڑبندیوں اور پابندی کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ کو فی الواقعہ اپنی روش کا اظہار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ذرائع ابلاغ اپنی روش کے اظہار میں بھی ریاست کی مشنری کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایک ہندوستانی دانشور کے بقول: ”آج کے بہت سے عرب اور چند غیر عرب ممالک میں مقتدارانہ نظریہ بڑی شدت کے ساتھ رائج ہے۔[25] مقتدرانہ نظریہ دراصل وہاں رائج پاسکتا ہے جہاں اظہار رائے کی آزادی دبی ہوئی ہو اور عوام حکمران طبقہ کے رحم وکرم پر ہوں۔ نہ سوال کرنے کی گنجائش نہ حق رائے دہی کا اختیار۔ تمام کے تمام اُمور حاکم مطلق کے ہاتھوں محصور ہوں اور عوام اپنی نجی زندگی کے معاملات تک حل کرنے کے لئے حاکم وقت کے محتاج ہوں۔ لہٰذا ذرائع ابلاغ کی مثبت روش ان حالات میں جبکہ وہ پابندی اور حدود وقیود کے دائرہ کار میں ہوں ممکن نہیں۔ البتہ اس بات کی طرف اشارہ ضرور کریں گے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بھی کیا تھا کہ آزادی اظہار رائے نہ ہونے کے باوجود ذرائع ابلاغ وہ سب کچھ ترسیل کرتے ہیں جن کا براہِ راست حکمرانوں کو خطرہ نہ ہو۔ حتیٰ کہ مخرب الاخلاق فلموں کی تشہیر بھی مسلم ریاستوں کے ذرائع ابلاغ میں ہوتی ہے۔ جائے تعجب یہ ہے کہ عرب ریاستوں کے حکمران ہوں یا غیر عرب کے، تمام کے تمام خود پر اور ان کے نظام حکمرانی پر کی گئی تنقید بالکل بھی برداشت نہیں کرلیتے۔ لیکن جب یہی ذرائع ابلاغ موسیقی اور دیگر تفریح پروگرام نشر کرتے ہیں تو ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا ذرائع ابلاغ کی درست روش کی شناخت حکمرانوں کے رویئے سے وابستہ ہے۔ اگر حکمران آزادی کے قائل ہوں تو ذرائع ابلاغ بھی آزادانہ اپنے فرائض انجام دیں گے لیکن اگر حکمران سخت مزاج اور ذرائع ابلاغ کے حامی واقع نہ ہوں تو پھر پابندی کے ماحول میں ان کو وہی کرنا پڑے گا جس کی اجازت سرکار سے ملتی ہے۔

مسلم ریاستوں میں موجود ہر ابلاغی ادارے کو مذہبی اور دینی تعلیمات کی تشہیر کا بڑا شوق ہے۔ سال بھر میں متعدد ایام ایسے ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں۔ عید قربان، رمضان المبارک اور محرم الحرام وغیرہ۔ ان ایام میں ذرائع ابلاغ اپنی خصوصی ایڈیشنز اور ٹرانسمیشن نشر کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک طرف مسلم معاشرے میں اپنی حیثیت نمایاں کرتے ہیں اور دوسری طرف عوام الناس کی ذہنی و روحانی تربیت فراہم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ قطعِ نظر کہ ذرائع ابلاغ اپنے مقصد میں کس قدر کامیاب ہوتے ہیں البتہ یہ بات مشاہدے کی ہے کہ مسلم طبقہ اشرافیہ کی چھتری تلے ذرائع ابلاغ کو اپنی آزادی قائم رکھنے میں نہ صرف مشکلات پیش آرہی ہیں بلکہ اپنی بقاء کو دوام دینے میں بھی سخت مسابقت کا سامنا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ذرائع ابلاغ کی عادی روش (کہ وہ طبقہ اشرافیہ کی سنیں یا اپنی آزادی برقرار رکھیں) نے اب شدت پسندی کا روپ دھار لیا ہے۔ مسلکی و مذہبی اختلافات اور بحث و مباحثہ آج کے مسلم ذرائع ابلاغ کا بنیادی موضوع ہے۔ خاص طور پر شیعہ سنی ریاستیں یعنی سعودی عرب اور ایران دونوں اپنی جنگ ابلاغی میدان میں لڑ رہی ہیں۔ عرب ذرائع ابلاغ مشرق وسطیٰ اور دیگر مذہبی مسائل کے پس پردہ ایران کو دوش ٹھہراتے ہیں جبکہ ایرانی ذرائع ابلاغ جو کہ حکومتی پالیسی کے تابع ہوتے ہیں بالکل اس کے برعکس روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا ایرانی ذرائع ابلاغ کا موقف ایرانی حکومت کا موقف ہے۔ اس سلسلے میں عرب ذرائع ابلاغ ہوں یا ایرانی ذرائع ابلاغ ہر محاذ پر مورچہ زن دیکھائی دیتے ہیں۔ العربیہ نیٹ ورک، وصال ٹیلی ویژن، پریس ٹی وی، اہلبیت نیوز ایجنسی، خلیج ٹائمز جیسے ابلاغی ادارے ہمیشہ سے اپنی حکومت کے معاون اور مسلکی ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً العربیہ ڈاٹ نیٹ اکثر اپنی خبروں میں ایرانی روحانی پیشوا سید علی خامنہ ای کو "مرشد اعلیٰ" لکھتا ہے۔[26] حالانکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ ایرانی قوم سید علی خامنہ ای کو مرشد اعلیٰ نہیں کہتی بلکہ رہبر معظم کہتی ہے۔ اگر آپ ایرانی واقعات اور حالات کی تشہیر کرتے ہیں تو پھر انہی کی زبان استعمال کریں اگر نہیں کرتے تو کم از کم وہ تو نہ کہیں جو اصلاً کسی شخصیت کے بارے میں نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح ایک اور رپورٹ میں بھی خامنہ ای کے لئے "مرشد اعلیٰ" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔[27] اسی طرح ایرانی ریڈیو سروس کے آفیشل ویب سائٹ پر الجزیرہ ٹیلی ویژن نیٹ ورک کو مصری پروفیسر کے حوالے سے "شیطانی نیٹ ورک" لکھا گیا ہے۔[28]

موجودہ منظر نامہ میں چونکہ مسلکی اختلافات کافی عروج پر پہنچ چکے ہیں اس لئے یہ ابلاغی جنگ بھی کافی تیز ہوگئی ہے۔ جب سے عراق پر داعش کا حملہ ہوا ہے، عرب کے متعدد ابلاغی ادارے داعش تنظیم کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں جبکہ ایران اور شیعہ مسلک کے علماء اور اکابرا‌ن کی تنقید کی زد میں ہوتے ہیں۔ داعش سے متعلق خبروں کی تشہیر میں بھی غلط روش اپنائی جاتی ہے۔ ایک مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ جب داعش گروہ نے لبنان کے قصبہ عرسال پر قبضہ کر لیا تو مقامی فوج متحرک ہوگئی اور داعش

گروہ پسپا ہو کر چلا گیا۔ العربیہ ڈاٹ نیٹ نے اس خبر کی تشہیریوں کی "جنگجوؤں کا لبنانی قصبے عرسال سے انخلاء، ۱۵ فوجی اغواء"[29] جبکہ اسی خبر کو ایرانی نیو ایجنسی نے یوں تشہیر کی "لبنان: عرسال کے اکثر علاقوں پر فوج کا قبضہ"[30] اس خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں اداروں کی سوچ کس قدر متفرق ہے حالانکہ واقعہ ایک ہے، صحافتی مقصد بھی ایک ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کا اندازہ بیان بالکل مختلف ہے۔ ہماری تجزیاتی حس کہتی ہے کہ کوئی تو ابلاغی ادارہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے یا ان میں سے ہر ایک ارادتاً اپنے مسلکی لوگوں کی حمایت کر رہا ہے۔ اگر اس روش کو پروپیگنڈہ مہم کا حصہ قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب تجزیہ ہوگا۔ ایک غیر مسلم ابلاغی ادارے نے بھی اسی قسم کا الزام الجزیرہ ٹیلی ویژن پر لگایا ہے: "عرب ممالک کے ٹی وی چینلز شدت پسندوں کو اپنے نامہ نگاروں کے طور پر پیش کر رہے ہیں، جبکہ الجزیرہ ٹیلی ویژن شام کے حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہا ہے۔"[31] بعض ابلاغی ادارے براہِ راست مسلکی عقائد کو نشانہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس کی مثال کویت سے شائع ہونے والے ایک اُردو جریدے میں شائع ہونے والی رپورٹ کی دی جاسکتی ہے۔ مذکورہ رسالہ براہِ راست اپنے مخالف مسلک کی تکذیب کرتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ مذکورہ مسلک کا تمام تر علمی مواد باطل ہے۔ یہاں تک کہ اُس مسلک میں رائج رسومات وعبادات بھی خرافات کی مجموعہ ہیں۔[32] ذرائع ابلاغ کی بدترین روش کی اس سے زیادہ بدترین مثال کیا ہوگی۔ اگرچہ بعض مسالک ان رسومات کو بدعت سمجھتے ہیں جن کا ذکر اس حوالہ میں دیا گیا ہے لیکن بعض مسالک ان رسومات کو عبادات کی حد تک انجام دیتے ہیں تو کیا اتنی سخت زبان کا استعمال درست ابلاغی روش ہے۔ اسلامی ریاستوں میں ذرائع ابلاغ کی یہ روش انتہائی خطرناک، غیر منصفانہ اور غیر تعمیری ہے۔ اس طرح کی صحافت سے باہمی اختلافات تو پیدا ہوتے ہیں لیکن اتفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ذرائع ابلاغ کی یہ روش اسلامی ریاست کے ذرائع ابلاغ کی بنیادی ذمہ داری کی مکمل نفی ہے۔ اب ہم اسلامی ریاست پاکستان کے حوالے سے مختصراً گفتگو کرتے ہوئے موضوع بحث کو سمیٹ لیتے ہیں:

پاکستان میں اس وقت باقاعدہ ۹۴۵ اخبارات اور جرائد شائع ہو رہے ہیں، ان میں ۱۴۲ روزنامہ اخبارات ہیں جبکہ ان کی اشاعت کا تخمینہ ۶۴ لاکھ لگایا گیا ہے۔[33] ڈان، دی نیوز، دی نیشن اور ڈیلی ٹائمز کو بااثر انگریزی اخبارات سمجھا جاتا ہے جبکہ دی پوسٹ، فرنٹیئر پوسٹ، پاکستان آبزرور، دی سٹیٹس مین، بلوچستان ٹائمز دیگر چند نمایاں اخبارات ہیں اور ان سب کی مجموعی تعداد اشاعت روزانہ دو لاکھ بنتی ہے۔[34]

پاکستان میں ذرائع ابلاغ کو شروع سے ہی اہمیت رہی ہے۔ جس قدر ذرائع ابلاغ ارتقاء کی طرف بڑھے اُسی قدر حکمران طبقہ اس کو شکنجے میں لینے کے لئے بے چین نظر آنے لگا۔ پریس اور اس کی اہمیت کا اندازہ سابق صدر ایوب خان کے دور میں ہی ہوا تھا۔ پریس کی اہمیت کے حوالے سے ان کے یہ الفاظ غور کرنے کے لائق ہیں:

"بڑے بڑے سے جھوٹ کو پرنٹنگ پریس کی مشین سے گزار کر کاغذ پر پھیلا دیا جائے تو کئی لوگوں کی نظر میں وہ قابل قبول اور قابل اعتبار بن جاتا ہے۔ ایوب خان پرنٹنگ پریس کو ذہنی جنگ کا اسلحہ خانہ کہتے تھے۔"[35]

دیگر اسلامی ریاستوں کی طرح پاکستان میں بھی ذرائع ابلاغ تاریک دور سے گزر رہے ہیں۔ پابندیوں کے شکار بھی ہوئے ہیں اور متعدد ابلاغی نمائندوں نے اپنی جانیں تک بھی گنوائی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا مشکل دور جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت سے شروع ہوتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق ذرائع ابلاغ کو بہت بڑا حریف سمجھتے تھے۔ ان کے دور حکومت میں ہی ذرائع ابلاغ کو پابندی اور سخت قسم کی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۷۸ء میں لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں صحافیوں کو برہنہ کر کے صرف اس لئے کوڑے مارے گئے کہ باقی صحافی عبرت حاصل کریں اور فوجی آمریت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔[36] ان سخت سزاؤں کے باوجود جنرل ضیاء نے ایک بار دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ چند صحافیوں کو لٹکا دیتے تو کوئی ان کے خلاف بولنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔[37] ریاست کے حکمراں کی طرف سے اس طرح کھلی دھمکی کا مطلب ایک ہی ہو سکتا تھا کہ یا تو ذرائع ابلاغ وہی کچھ لکھیں یا بولیں جو حکومت کی منشاء ہے یا آنکھیں بند کر کے ہر حکومتی عمل کو نظر انداز کریں۔ ذرائع ابلاغ اس سخت گیر رویئے سے خائف بھی ہوئے لیکن اپنی جدوجہد کو جاری بھی رکھا۔ چونکہ اس وقت کے ذرائع ابلاغ اپنی بنیادی روش کو خوب پہچانتے تھے اس لئے ان کی نگاہ میں اپنے حق کے لئے جدوجہد کرنا کسی جہاد یا عمل صالح سے کم نہیں تھا۔ آج کے پاکستانی ذرائع ابلاغ میں جرأت، ہمت اور بے باکی اگر پیدا ہوئی ہے تو یہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں شروع کی گئی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ آج پاکستانی ذرائع ابلاغ اپنی مثبت روش کے اظہار میں کافی آزاد ہیں۔ وہ حکومت وقت پر تنقید بھی کرتے ہیں، اصلاح احوال کی غرض سے مختلف غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں اور بعض اُمور میں حکومتی کارکردگی کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ یہ بات نمایاں طور پر بیان کرنے کی ہے کہ جیسے ہی ذرائع ابلاغ پر حکومتی اجارہ داری ختم ہوئی اظہارِ رائے کی آزادی کا نظارہ بھرپور طریقے سے دیکھا گیا۔

حوالہ جات

(1)۔ زبیری، نثار احمد، پاکستانی ذرائع ابلاغ عامہ پر ایک نظر، مشمولہ: ابلاغیات، مدیر: طاہر مسعود، (کراچی، ادارہ ابلاغیات، جامعہ کراچی، ۱۹۸۶ء)، ص:۱۸۷

(2)۔ کھوکھر، محمد افتخار، تاریخ صحافت، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، س ن)، ص:۴۷، ۴۷

(3)۔ تنویر اے طاہر، ڈاکٹر، آزادی اطلاعات کا آرڈیننس اور عوام کے جاننے کا حق، مشمولہ: ابلاغی تحقیق، (کراچی، وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، ۲۰۰۸ء)، ص:۳۹

(4)۔ طارق جان، سیکولرزم: مباحث اور مغالطے، مترجم: محب الحق صاحبزادہ، (اسلام آباد، ایمل مطبوعات، ۲۰۱۲ء)، ص:۳۹۵

(5)۔ ناز، احسن اختر، صحافتی ذمہ داریاں، (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰)، ص:۹۹، ۱۰۰

(6)۔ عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، (کراچی، مکتبہ معارف القران، ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۰۱۰ء)، ص:۲۹۰

(7)۔ آئینی عدالت کے سربراہ مصر کے عبوری صدر مقرر، مشمولہ: بی بی سی اُردو، مورخہ ۴ جولائی ۲۰۱۳ء

(8)۔ پاٹریک کوک برن، ڈیلی دی اینڈ یپنڈنٹ لندن، ۲۹ دسمبر ۲۰۱۳ء

(9)۔ جون ۲۰۱۲ء میں سوشل میڈیا ایڈیٹر ریف بداوی کو سعودی عرب کے مفتی اعظم سمیت دیگر مذہبی رہنماؤں کو تنقید کا نشانہ بنانے پر سات سال قید اور ۶۰۰ کوڑوں کی سزا سنائی گئی، وائس آف امریکہ، ۳۱ جولائی ۲۰۱۳ء

(10)۔ بی بی سی اُردو، ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۳ء، ۱۱ جون ۲۰۱۳ء، ۲۱ اپریل ۲۰۱۴ء

(11)۔ محمد الجیوسی، بحرین میں حزب اللہ کے ذرائع ابلاغ کے اداروں پر پابندی، سنٹرل ایشیاء آن لائن، مورخہ ۲۲ اگست ۲۰۱۳ء

(12)۔ عابد حسین، ورلڈ ٹی وی ڈے، بحرین میں ذرائع ابلاغ پر پابندیوں کا عمل، ڈوئچے ویلے، مورخہ ۳ اپریل ۲۰۱۱ء

(13)۔ سی پی جے، ۱۲ جون ۲۰۱۲ء

(14)۔ ایم او سی ٹی، ویب سائٹ

(15)۔ مقتدا منصور، لیبیا کا معاملہ، مشمولہ: روزنامہ ایکسپریس (کراچی)، مورخہ ۳۱ مارچ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰

(16)۔ العربیہ ڈاٹ نیٹ، ۱۸ اگست ۲۰۱۴ء

(17)۔ دی ویکلی اکانومسٹ، ۱۱ نومبر ۲۰۱۰ء

(18)۔ بی بی سی اُردو لندن، ۳ ستمبر ۲۰۱۳ء

(19)۔ محمد یوسف، مولانا، امریکی ثقافت کی عالم کاری (گلوبلائزیشن) کے ذرائع، مشمولہ: ماہنامہ محدث، لاہور، جلد ۴۴، شمارہ ۳۵۸، نومبر ۲۰۱۲ء، ص:۴۵

(20)۔ ایضاً، ص:۴۲

(21)۔ راس ڈاؤسن، عرب میڈیا فورم، ۲۹ اپریل ۲۰۱۴ء

(22)۔ رپورٹرز ودآؤٹ، ۱۰ مئی ۲۰۱۲

(23)۔ خمینی، روح اللہ، منتخب کلمات، (موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، قم، س ن)، ص:۱۹۶، ۱۹۷

(24)۔ حسن خان، افغانستان میں سلامتی کی بہتر صورت حال سے آزاد ذرائع ابلاغ کی ترقی، سنٹرل ایشیاء آن لائن، مورخہ ۲ جولائی ۲۰۱۳ء

(25)۔ جراوی، ابرار احمد، ذرائع ابلاغ کا آزادانہ کردار اور اسلام، مشمولہ: ماہنامہ زندگی نو، جلد ۳۹، شمارہ:۷، شعبان المعظم / رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ، بمطابق جولائی ۲۰۱۳ء، نئی دہلی، ص:۵۴

(26)۔ ایرانی پروفیسر کو مرشد اعلیٰ کے مشیر پر تنقید مہنگی پڑگئی، العربیہ ڈاٹ نیٹ، مورخہ ۲۰ جون ۲۰۱۴ء

(27)۔ ریلیوں کی کثرت سے امام مہدی کا جلد ظہور ممکن ہے، العربیہ ڈاٹ نیٹ، مورخہ ۵ فروری ۲۰۱۴ء

(28)۔ مشمولہ: ریڈیو تہران، ۲۵ نومبر ۲۰۱۳ء

(29)۔ مشمولہ: العربیہ ڈاٹ نیٹ، مورخہ ۸ اگست ۲۰۱۴ء

(30)۔ مشمولہ: اہل بیت نیوز ایجنسی، لبنان: عرسال کے اکثر علاقوں پر فوج کا قبضہ، مورخہ ۴ اگست ۲۰۱۴ء

(31)۔ مشمولہ: صدائے روس، مورخہ ۱۶ مارچ ۲۰۱۲ء

(32)۔ آصف عثمانی، "ماہِ محرم اور مروجہ بدعات ورسومات"، مشمولہ: ماہنامہ مصباح، شمارہ ۲۵، نومبر، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص:۶،

(33)۔ رانا، محمد عامر، عسکریت پسندوں کی صحافت اور اس کی حرکیات، مشمولہ: ماہنامہ تجزیات، (اسلام آباد، پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار پیس اسٹڈیز)، ۲۳ جنوری ۲۰۱۰ء

(34)۔ پاک انسٹیٹیوٹ فار پیس اسٹڈیز کے زیر اہتمام لاہور میں منعقدہ سیمینار ""عسکریت پسندوں کے صحافتی اسلوب اور اثرات "سے مقررین کا خطاب"، ۱۶ نومبر ۲۰۰۹ء

(35)۔ شہاب، قدرت اللہ، شہاب نامہ، (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص:۷۹۹

(36)۔ علی سلمان، پاکستان میں جب صحافیوں کو کوڑے مارے گئے، بی بی سی اردو ڈاٹ کام، لاہور، مورخہ ۱۳، مئی ۲۰۱۴ء

(37)۔ مظہر عباس، ''مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری نے ضیاء کی طرح صحافیوں کو دھمکی دی''، مشمولہ: روزنامہ جنگ (کراچی)، مورخہ ۱۹، جنوری ۲۰۱۴ء، ص:۳، ۳۸

ENGLISH BIBLIOGRAPHY:

➠ Patrick Cockburn ‘‘Sunni monarchs back YouTube hate preachers: Anti-Shia propaganda threatens a sectarian civil war which will engulf the entire Muslim world’’, Daily The independent, London, Retrieved on 29 December 2013.

➠ https://www.bbc.com/urdu/world/2013/07/130704_egypt_crises_rk, retrived on 4 July 2013

➠ http://www.urduvoa.com/ Retrieved on 31 July 2013.

➠ http://www.bbc.co.uk/,Retrieved on 29 October 2013, 11 June 2013, 21 April 2014

➠ http://www.centralasiaonline.com/

➠ http://www.cpj.org/ Retrieved on 12 June 2012

➠ http://www.moct.gov.sy/moct/,http://www.ste.gov.sy

➠ http://www.alarabiya.net,Retrieved on 8 August 2014

➠ Report: The Weekly Economist, Turkey and press freedom: Publish and be damned, Retrieved on 11 November 2010, From the print edition, Ankara and London (http://www.economist.com/)

➠ http://www.bbc.co.uk/urdu,Retrieved on 3 September 2013

➠ Ross Dawson, ‘‘Updating the newspaper extinction timeline for the Arab world’’ Arab Media Forum, Retrieved on 29 April 2014.

http://www.arabmediaforum.ae/en/media-center/press-releases

➠ Journalists and Media hounded from all Quarters, Reporters without Borders, http://www.en.rsf.org/iran-journalists/ Retrieved on 10 May 2012

➠ http://www.centralasiaonline.com/Retrieved on 2 July 2013

➠ http://www.abna.ir/urdu,Retrieved on 4 August 2014

➠ http://www.urdu.ruvr.ru/Retrieved on 16 March 2012